R. No. 218657

Regd. No. [illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Tele. No. 20
Telegrams
"ANJUMAN"

[illegible]

جلد ۲۲ - شمارہ ۱۷	ایڈیٹر: آل احمد سرور	یکم مئی ۱۹۶۳ء

خاور جمیل پوری

لکھنؤ کا ایک ادبی ہنگامہ

تیس پینتیس سال اُدھر صاعقہ نام کا ایک ادبی رسالہ چھوٹے سائز کے بتیس صفحوں پر لکھنؤ سے نکلتا تھا۔ امین سلونوی اس کے مدیر تھے۔

میرے پاس اس رسالے کے دو شمارے تھے۔ ایک کہیں مخلوط ہو گیا۔ دوسرا شمارہ ۱۰ جلد ۲ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء موجود ہے جس کے پہلے صفحے پر ایک شعر

بارِ ستمگر ہر دل کینہ توز   جام شکن صاعقۂ فتنہ سوز

کے تحت رسالے کا نام "صاعقہ" تحریر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ یہ بجلی آسمان صحافت سے چمک کر مخالفوں کے خرمن ادب پر تڑپتی رہتی تھی اور جس کا نشانۂ ہدف (غالباً) حضرت سراج لکھنوی کی مخالف جماعت تھی۔

صفحۂ تعارف کے بعد اس چھوٹے سے گلدستے میں نظم اور نثر کے رنگا رنگ پھول بڑی خوب صورتی اور قرینے سے سجا کر لکھنؤ اور اردگرد کے نامور شعرا اور مشہور ادیبوں کے افکار زرّیں سے زیب و زینت دی گئی ہے۔ صفحۂ تعارف میں لکھے ہوئے اہل قلم حضرات کے اسمائے گرامی میں آدھے سے زیادہ ناموں کے ساتھ لکھنوی کا تمغہ لگا ہے جس میں سراج لکھنوی، شوکت تھانوی اور ظریف لکھنوی کے نام بھی شریک ہیں۔

شذرات میں ادارے کی طرف سے ۱۹۳۱ء کے خاتمے اور نئے سال کے آغاز پر ادیبانہ خامہ فرسائی کرکے مخالفین کو ادبی شاہراہ پر با اصول طریقے سے قدم اٹھانے کی دعوت دی گئی ہے اور پچھلے واقعاتی تاثرات پر طائرانہ نظر ڈال کر دوران سال میں تقریباً چھ ماہ تک جاری رہنے والے ایک ادبی ہنگامے پر تبصرہ کیا ہے، جس بنا پر سراج لکھنوی بنام اقتر موہانی وغیرہ زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند عدالت میں مقدمہ دائر تھا جو اقتر موہانی کی طرف سے عدالت کے روبرو معذرت کی درخواست پیش ہو جانے سے صلح نامہ مرتب ہو کر خارج ہو گیا۔

مدیر صاعقہ نے اس اطلاع پر اظہار مسرت کرکے سراج لکھنوی کو بہ حیثیت ایک دانش ور انسان کے قابل "مبارک باد" اور اقتر موہانی کی عمومی فرو گذاشت پر نکتہ چینی کرکے لکھا ہے کہ ان کے لئے یہ کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی کیوں کہ انھوں نے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ معافی مانگی اور معذرت چاہی ہے۔

اسی سلسلے میں "ادبی ہنگامے کا خاتمہ" کے عنوان سے سراج الحسن صاحب سراج لکھنوی کا ذیلی مکتوب اور محمد حسین صاحب اقتر موہانی ایڈیٹر جام جہاں نما لکھنوی کا معذرت نامہ شائع ہوا ہے۔

محلہ باغ قاضی لکھنؤ
یکم فروری ۱۹۳۲ء

جناب من

تسلیم۔ غالباً آپ کو علم ہے کہ رسالہ جام جہاں نما بابت اکتوبر ۱۹۳۱ء میں میری ایک غزل کے متعلق مجھ پر سرقے کا الزام عائد کیا گیا تھا چونکہ یہ الزام غلط اور بے بنیاد تھا، اس لئے میں نے دفعہ ۵۰۰ کے تحت دعویٰ دائر کر دیا تھا۔ قبل اس کے کہ مقدمے میں حکم

ثابت نہ کیا جائے۔ ملزمان نے ایک باضابطہ معذرت نامہ آنہ آنے کا ٹکٹ لگا کر عدالت میں داخل کر دیا۔ چونکہ وہ الزامات جو مجھ پر قائم کئے گئے تھے، دفعہ ہو گئے۔ جیسا کہ معذرت نامے کی عبارت سے ظاہر ہے۔ لہٰذا میں نے اس معذرت نامے کو قبول کر لیا اور اس کے بعد فریقین کی جانب سے ایک درخواست بھی عدالت میں داخل کر دی گئی جس میں اس معذرت نامے کا حوالہ دے کر لکھ دیا گیا ہے کہ اس تحریر کی بناء پر جو ملزمان نے عدالت میں داخل کی ہے، اب کوئی رنجش فریقین میں باقی نہیں رہی۔ لہٰذا مقدمہ داخل دفتر کیا جائے۔ ملزمان کے معذرت نامے کی نقل حسب ذیل ہے۔ اس کی صحت کا میں ذمہ دار ہوں از راہ کرم اس خط کو مع ملزمان کے معذرت نامے کے صفحۂ اداریہ کی اشاعت میں شایع فرما دیجئے۔ سراج لکھنوی

معذرت نامہ

اکتوبر ۶۲ء کے جام جہاں نما میں جو الزامات سراج الحسن صاحب سراج لکھنوی پر ہم ملزمان نے قائم کئے تھے، وہ نامناسب ہیں، اُن کے لئے ہم ملزمان نادم ہیں اور اظہار افسوس کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اس تحریر کو بغیر کسی ردوبدل کے جام جہاں نما کی آئندہ اشاعت میں شایع کر دیں گے۔

مورخہ ۱۳ر دسمبر ۶۲ء

(دستخط) محمد حسین افقر موہانی ایڈیٹر جام جہاں نما۔ لکھنؤ
(دستخط) متین الدین ایڈووکیٹ برائے مسعود علی شارق

ہماری زبان

یکم مئی ۱۹۶۳ء

انگریزی، ہندی، اُردو

پارلیمنٹ نے جو سرکاری بل پاس کیا ہے اس کی رو سے ۱۹۶۵ء کے بعد بھی ہندی کے علاوہ انگریزی مرکز کے تمام سرکاری کاموں کے لئے اور پارلیمنٹ کے کاروبار کے لئے استعمال کی جائے گی۔ ۱۹۷۵ء میں پارلیمنٹ ایک کمیٹی بنائے گی جس میں بیس ممبر لوک سبھا کے اور دس راج سبھا کے ہوں گے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ صدر کی خدمت میں پیش ہوگی۔ کمیٹی کی رپورٹ پر ریاستی حکومتیں بھی رائے دیں گی، اس کے بعد صدر کو اختیار ہوگا کہ وہ اس رپورٹ کو جزوی یا کلی طور سے منظور کرے اور ہندی کے ساتھ انگریزی کے آئندہ استعمال کے متعلق ہدایات جاری کرے۔

اگرچہ مباحثے کے دوران میں دونوں طرف سے انتہا پسندی کا ثبوت دیا گیا مگر جس خوشگوار فضا میں یہ بل پاس ہوا ہے اُس سے یہ اُمید بندھتی ہے کہ مرکزی سرکاری زبان کے مسئلے پر اب جذباتیت کے بجائے معقولیت اور حقیقت پسندی کا اظہار ہوگا۔ اس بحث سے حسب ذیل نتیجے نکالے جاسکتے ہیں:

(۱) ملک کی اکثریت ابھی انگریزی کو برقرار رکھنے کے حق میں ہے۔

(۲) ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ انگریزی ہمیشہ مرکزی سرکاری زبان نہیں رہ سکتی اور ایک مدت کے بعد ہندی کو ہی ملک کی سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے گا۔

(۳) ہندی اگرچہ ابھی اتنی ترقی یافتہ نہیں کہ انگریزی کی جگہ لے سکے اور کئی قومی زبانیں ہندی سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، مگر کئی وجہوں سے ہندی ہی انگریزی کی جگہ لے سکتی ہے۔

(۴) اگر ہندی دستور کی ہدایت کے مطابق ہندوستانی کی روح اور اُس کے مواد سے زیادہ فائدہ اُٹھاتی اور دوسری علاقائی زبانوں سے بھی مدد لیتی تو اس کی ترقی کی رفتار اور تیز ہو سکتی تھی۔

(۵) پنڈت جواہر لال نہرو، جس طرح ملک کے مزاج کو سمجھتے ہیں، دوسرا نہیں سمجھتا۔ اُنھوں نے جب یہ کہا کہ ہم انگریزی کو ہمیشہ اس پوزیشن میں نہیں رکھ سکتے تو انھوں نے پوری قوم کی ترجمانی کی اور جب یہ کہا کہ ابھی انگریزی کو ہندی کے ساتھ چلانا ہے تو گویا ہندی کے حامیوں پر یہ واضح کر دیا کہ مرکز کی سرکاری زبان کے مسئلے پر غیر ہندی بولنے والی ریاستوں کی رائے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) پنڈت جی نے تمام قومی زبانوں میں مساوات کو تسلیم کیا، اُردو نے آزادی کے بعد جو ترقی کی ہے اس کا ذکر کیا اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ اُردو کو اُس ترقی کے مواقع نہیں ملے جس کی وہ مستحق ہے۔

(۷) مرکزی زبان، ریاستوں کی سرکاری زبان اور قومی زبانوں، سب کی ترقی کے لئے مواقع فراہم کرنے چاہئیں اور کسی گروہ کے مفاد کے بجائے، ساری قوم کے مفاد کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہئے۔

ہمیں امید ہے کہ سرکاری زبان کے مسئلے پر اب بحث ختم ہو جائے گی؟

سیر بین

کوئی چیز کتنی ہی اچھی ہو، اگر حد سے بڑھ جائے تو بُری ہو جاتی ہے۔ یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کسی کا مجموعۂ کلام پڑھنے سے پہلے شاعر کا تعارف ہو جائے۔ اُس کے حالات زندگی کا کچھ علم ہو جائے، اس کی شخصیت کی انفرادیت واضح ہو جائے، اس کے فکر و فن کا میلان سمجھ میں آجائے تو اس سے کلام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مگر آج کل تو جو مجموعہ اُٹھائیے اس میں پیش لفظ، تعارف، مقدمہ، دیباچہ، حرفے چند، سخن ہائے گفتنی، حرف اوّل یا پھر گرد پوش پر چند اشخاص کے سفارشی و ستائشی کلمات کا ایک ایسا سلسلہ نظر آتا ہے جو ذوق سلیم کے لئے ایک خطرہ ہے۔ مانا کہ آج لوگ عدیم الفرصت ہیں اور وہ جلد کوئی رائے قائم کرنا چاہتے ہیں مگر انگشت نمائی یا رہنمائی کی کوئی تو حد ہونی چاہئے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ شاعر خود اپنی شاعری کے متعلق اظہار خیال کر لیا کرے۔ برنارڈ شا کے دیباچے اس کے ڈراموں سے کم مقبول نہیں تھے۔

آج کل تحقیق کی بڑی گرم بازاری ہے، کاش کوئی اللہ کا بندہ ان حضرات کی ایک فہرست تیار کر دے جنھوں نے گزشتہ دس پندرہ برس میں پچیس سے زیادہ مقدمے یا پیش لفظ لکھے ہیں۔ ویسے تو اس مرض سے کوئی مشہور اہل قلم نہیں بچا ہے، مگر کبھی کبھار کے مجرم اور عادی مجرم میں ہر عدالت فرق کرتی ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس تحقیق کو ہماری زبان میں شائع کیا جائے گا اور اس پر ایک پیش لفظ بھی لکھا جائے گا۔

ہمارے ایک کرم فرما نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ ہم نے سیر بین کی کسی پچھلی اشاعت میں ایک مصرعہ غالب کا اور ایک فانی کا لے لیا، پروفیسر رشید صدیقی نے باقیات فانی کے مقدمے میں فانی کے اس شعر کو فانی کا سرمایہ کہا تھا۔

ہیلا نہ دل نہ تیرگی شام غم گئی\
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

رشید صاحب نے خود کہیں لکھا ہے کہ انھیں شعر یاد نہیں رہتے۔ ہم سب انھیں سے متاثر ہوئے ہیں، اس لئے اگر ہم نے غالب کے ایک مصرعے کے ساتھ دوسرا فانی کا لکھ دیا تو یہ صرف حافظے کی کرشمہ سازی نہیں ہے بلکہ نسل پر رشید صدیقی کے ہمہ گیر اور ہمہ جہت اثر کا بھی اعتراف ہے۔ بہر حال ہم اپنے کرم فرما کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور غالب کا شعر پھر لکھتے ہیں ؎

تو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے\
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

اب اور تمام قومی زبانوں کی ترقی کے لئے راہیں کھلیں گی، اس سلسلے میں اُردو کی ترقی اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی ترقی سے ہندی کو بھی مدد ملے گی۔ اگر یہ لسانی فارمولے پر دیانت داری سے عمل ہوا تو اُردو کی ترقی کے راستے میں بہت سی دشواریاں دور ہو جائیں گی۔

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے ایک وفد نے گزشتہ ستمبر میں ایک میمورنڈم حکومت آندھرا پردیش کے سامنے پیش کیا تھا، جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا کہ سرکاری دفاتر میں جو درخواستیں اُردو میں گزرانی جائیں، ان کے جوابات بھی اُردو ہی میں دئے جائیں۔ اس سلسلے میں حکومت آندھرا پردیش کے چیف سکریٹری کا جواب انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کو موصول ہوا ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ احکام جاری کردئے گئے ہیں کہ اضلاع کے جن علاقوں میں لسانی اقلیتوں کی آبادی بیس فی صدی سے زیادہ ہو، وہاں ان درخواستوں پر، جو لسانی اقلیت کی زبان میں پیش کی جائیں، اسی طرح کارروائی کی جائے جس طرح سرکاری زبان کی درخواستوں پر کارروائی کی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ ایسی درخواستوں کے جوابات کے ساتھ ان کے ترجمے بھی لسانی اقلیت کی زبان میں، جہاں تک ہوسکے، بھیجے جائیں۔ چیف سکریٹری نے اپنے جواب میں اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ جن درخواستوں کے جوابات طویل ہوں گے وہ انگریزی یعنی سرکاری زبان ہی میں لکھے جائیں گے، لیکن ایسے موقعوں پر ان کا خلاصہ بھی لسانی اقلیت کی زبان میں پیش کیا جائے گا۔

چیف سکریٹری نے اپنے خط کے ساتھ ان علاقوں کی ایک فہرست بھی منسلک کی ہے کہ جہاں اُردو بولنے والی لسانی اقلیت کی آبادی بیس فی صدی سے زیادہ ہے۔ یہ فہرست ذیل میں درج کی جارہی ہے۔ مقام کے سامنے آبادی کا تناسب درج کردیا گیا ہے:

(۱) ضلع کڈپا		ایچی گنور	۲۲	حیدرآباد بلدیہ وچھاؤنی	۴۳	سنگاریڈی	۳۲ر۹
جلالادگو	۲۶ر۴۳	اتماکور	۲۱	وقار آباد	۴۲ر۹	ساداشیو پیٹ	"
پروڈوٹور	"	ننڈی کوٹ کور	۲۱	تانڈور	۳۱ر۴	اندولے	"
بدول	"	مرکاپور	۳۱	نوتی	۳۱ر۴	سنگارم پیٹ	"
وپیالے	"	مڈی کارا	۲۱	پارگی	۲۷ر۸	میدک	"
کملاپورم	"	پاتھی کونڈا	۲۱	(۶) ضلع محبوب نگر		راماین پیٹ	"
کڈپا	۳۲ر۵	دھون	۲۱	محبوب نگر	۲۷ر۸	سدی پیٹ	"
رائے چوٹی	"	ننڈیالا	۳۱	نراین پیٹ	۲۷ر۸	دوبک	"
راجم پیٹ	"	کم بم	۳۱	ونپارتھی	"	گجویل	"
ننڈالور	"	گڈلور	۳۱	فاروق نگر	"	ظہیرآباد	۴۸ر۲
(۲) ضلع اننت پور		بنگاناپلے	۲۱	کلمتل	"	کوہیر	۴۵ر۳
گنتاکل	۲۵ر۹	کویل کنٹلا	۳۱	بادسے پلی	"	نراین کھیڑ	۴۴ر۵
ہندوپور	۲۳ر۹	(۴) ضلع عادل آباد		آتکر	"	(۸) ضلع ورنگل	
کدیری	"	عادل آباد	۴۰	کولھاپور	"	ورنگل شہر	۲۰ر۶
ارناکنڈا	۲۵ر۹	بھانسا	۴۶	امان گل	"	(۹) ضلع نظام آباد	
کوتی	"	مدھول	۴۱ر۷	کلواکرتی	"	نظام آباد شہر	۳۱ر۲
دھرماورم	۲۳ر۹	کھناپور	۲۵	نگرکرنول	"	کاماریڈی	۲۴ر۶
پینوگونڈا	۲۳	نرمل	۳۵	آتماکور	"	یالاریڈی	"
مداکاسیرا	۲۰	بوتھ	۲۵	الوہم پیٹ	"	بنسواڑا	"
لیپڈی	۲۵	سرپور	۳۶ر۲	کوڈنگل	۲۵ر۵	دوماکنڈا	"
رائے درگ	۲۲	کوتھا پیٹ	۳۰	کوساگی	"	آرمور	"
(۳) ضلع کرنول		لکشیٹی پیٹ	۲۶	گدوال	۲۳ر۷	بال کنڈا	"
کرنول	۳۰ر۴۳	آصف آباد	۲۱	ایجا	"	بودھن	"
کوڈومور	۲۱	(۵) ضلع حیدرآباد		عالم پور	"	یاداپالے	"
گوڈور	۲۱	ضلع حیدرآباد	۳۱	(۷) ضلع میدک		رانجل	"
ادونی	۳۳ر۹	حیدرآباد مغربی تحصیل	۴۳	ظہیرآباد	۲۶ر۱		

وحید مرزا

ہم لوگ!

ہم مندر، مسجد اور کلیسا کے اونچے مینارے ہیں
ہم تہذیبوں کا سنگم ہیں، ہم طوفانوں کے دھارے ہیں
ہم تاج محل کی سندر تا کشمیر کی ہم پھلواری ہیں
اک خواب سہانا مشرق کا جمہور کی ہم بیداری ہیں
اقبال کا نغمہ جاں افزا ٹیگور کا اک آدرش ہیں ہم
گو خاک کے ذرّے ہیں لیکن صد باعث نازِ عرش ہیں ہم
گوتم کی تجلّی کی کرنیں آنکھوں میں ہماری تابندہ
چشتی کا پیامِ حق اب تک سینوں میں ہمارے ہے زندہ
ہم جھانسی کی رانی کے خوابوں کی حسیں تعبیر بھی ہیں
ہر دشمن کو معلوم ہو یہ ہم ٹیپو کی شمشیر بھی ہیں
آتے ہیں ہماری راہوں میں ہر موڑ کے اوپر پیچ و خم
چلتے ہیں چراغوں کی مانند جانبازِ بھگت کے نقشِ قدم
سو بار کٹھن گھڑیاں آئیں سو بار ہی ٹوٹا ظلم کا دم
سو بار زمانے کی سوگند پیچھے نہ ہٹے اپنے بھی قدم
ہم اپنے شہیدوں کے خوں سے مہکا دیں گے ہر کوہ و دمن
تیار ہمارے ہاتھوں میں ہے آج ہر اک دشمن کا کفن
کیا شے ہے وطن تیری خاطر یہ لال و جواہر تن من دھن
ہم جان نچھاور کر دیں گے آواز پہ تیری ارضِ وطن

عاول منصوری

لذتوں کے پربتوں کے درمیاں

لذتوں کے پربتوں کے درمیاں کی
گہری اندھی کھائی میں۔
ان گنت یادوں کے زخمی چاند
اوندھے منہ پڑے چلا رہے ہیں
کھڑکی کے باہر کھڑی
چوکور شب کی تیرگی
زنگ آلودہ نظر سے دیکھتی ہے
راستے سے دھم کی کالی چڑیلیں
ہٹ گئی ہیں
دور افق پر
خون میں لتھڑے ہوئے
سورج کی
آنکھیں پھٹ گئی ہیں۔

بانو طاہرہ سعید

میں

(سانیٹ)

مِلے کے پیدا ہوئی دل شاعر
میری قسمت کا تھا یہی ورثہ
اس لئے ہوں غموں میں آسودہ
دشت پیمائیوں کی بھی ماہر
میرے رُخ پر سدا تبسم ہے
گرچہ زخموں سے چور چور ہوں میں
آہ وحشیوں سے دُور دُور ہوں میں
لب پہ رقصاں مرے ترنم ہے
زندگی میری لالۂ احمر
جس میں شامل ہے رنگِ خونِ جگر
نور افشاں ہیں میرے قلب و نظر
کیا کروں آرزوئے لعل و گہر
مجھ سے رونق ہے خارزاروں میں!
بن مرے کچھ نہیں بہاروں میں!!

غزلیں

شہریار

موجِ نسیم، بادِ صبا کس سے کہیے
کیجے کبھی جو شکوہ گریباں کے چاک کا
ہے خیر خواہِ اہلِ جنوں تو ہی اک تو پھر
دل کی اداسیوں کا سبب اور کون ہے؟
تھا ایک شہریار سو وہ بھی نہیں رہا

ذکرِ آلِ مہر و وفا کس سے کہیے
ہم بے جنوں کو سبب تھا کس سے کہیے
امیدِ لطف تیرے سوا کس سے کہیے
تجھ سے نہ کیجیے تو بھلا کس سے کہیے
اب گفتگوئے صدق و صفا کس سے کہیے

عارف حجازی

اپنے غم کے سیاہ خانے میں
رات ڈھلنے لگی چراغ بجھے
برق گرتی ہے خاک اڑتی ہے
دل میں کیا کیا تھیں حسرتیں عارف

گم ہوں آپ کو بھلانے میں
دیر کیا ہے سحر کے آنے میں
فتنے اُٹھتے ہیں ہر زمانے میں
عمر گزری فریب کھانے میں

طالب جے پوری

وہ حسن ہی دلکشی نہیں ہے، وہ عشق ہی بے خودی نہیں ہے
یہ کیا نظر آ رہا ہے مجھ کو کہ بزم وہ بزم ہی نہیں ہے
ابھی سے ذوقِ نگاہ کے حوصلوں میں کیوں جراتیں نہیں ہیں
ابھی تو چلمن اُٹھی نہیں ہے، ابھی تو بجلی گری نہیں ہے
بجی ہوئی ہے اب آدمیت سے اس قدر وضعِ آدمیت
کہ آدمی ہے مگر کچھ ایسا کہ جیسے وہ آدمی نہیں ہے

مراسلات

برار میں اردو

"ہماری زبان" بابت ۸ اپریل ۱۹۶۳ء میں جہانگیر جو ہر پاتوری کا مراسلہ شائع ہوا ہے، جو حقائق کے منافی اور "برار میں تحریک اردو" سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ نیز برار میں اردو کی ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں جو بہتر حالت ہے اس کا بھی ان کو علم نہیں۔

برار میں تحریک اردو کا آغاز ۱۹۳۶ء کے "اردو ہفتہ" بالاپور سے ہوتا ہے۔ جو بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس "اردو ہفتہ" کے بعد سے برار کی تحریک اردو کی تدریجی ترقی کا اندازہ تفصیل ذیل سے کسی حد تک واضح ہو سکے گا۔

۱۹۳۶ء میں برار میں صرف تین اردو ہائی اسکول تھے۔ دو گورنمنٹ کے اور ایک انجمن کا کھام گاؤں میں، لیکن آج برار میں پندرہ اردو ہائی اسکول چل رہے ہیں۔ جن میں سے چار (بشمول اردو گرلس اسکول امراؤتی) سرکاری ہیں۔ باقی گیارہ انجمن کے اسکول ہیں۔ نیز برار کے علاوہ اس وقت ودربھ کے باقی چار اضلاع میں صرف ایک انجمن ہائی اسکول ناگپور میں تھا۔ جس کا طریقہ تعلیم بھی انگریزی تھا۔ لیکن آج وردھا، کامٹی اور ناگپور میں بشمول انجمن سات اردو ہائی اسکول چل رہے ہیں جن میں صرف گورنمنٹ اردو گرلس ہائی اسکول ناگپور کو چھوڑ کر باقی تمام انجمن کے ہیں۔

یہ مہاراشٹر کے علاقہ ودربھ کے صرف آٹھ اضلاع کا حال ہے جو باوجود اپنی پسماندگی کے پورے ہندوستان پر شرف اولیت رکھتا ہے۔

برار میں اردو سے متعلق مندرجہ صدر سطور میں حقائق پیش کئے گئے ہیں تاکہ صاحب مراسلہ حقیقت سے واقف ہو جائیں، اور علاقہ ودربھ کی تحریک اردو سے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔

اب رہا انجمن ترقی اردو کی شاخوں کی کارکردگی کا سوال اس خصوص میں صاحب مراسلہ سے میں کسی حد تک متفق ہوں۔ لیکن اس کے باوجود باستثنا چند دوسرے صوبوں کی شاخوں کی حالت بھی ودربھ سے بہتر نہیں، جس کی تمام تر ذمے داری مرکز اور صوبائی انجمن کی عدم توجہی پر مبنی ہے جس کی وجہ اردو کے تمام کام کرنے والے بد دل ہو کر خاموشی سے اپنے محور پر جتنا جو کچھ ہو سکتا ہے، کر رہے ہیں۔

(غلام عباس خاں)

ہماری دشواریاں

اردو کے سلسلے میں جو دشواریاں لاحق ہیں وہ ایسی گوناگوں ہیں کہ جب تک پوری دیانت داری اور لگن کے ساتھ ان کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جائے اردو کو اس کا صحیح مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں چند کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

(۱) حکومت کا غیر ہمدردانہ بلکہ کسی حد تک مخالفانہ رویہ۔

(۲) زبانی ہمدردی کی فراوانی اور عملی کام کی کمی، اس میں اردو کے نادان دوست بھی شامل ہیں۔

(۳) افسران متعلقہ، اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر، کالجوں کے پرنسپل، اسکولوں اور کالجوں کی مجلس عاملہ کے ارکان کا رویہ۔

(۴) اسکولوں اور کالجوں میں اکثر اردو کے معلمین کا رویہ۔

(۵) اردو خواں طلبہ کے ذہن کی مرعوبیت اور احساس کمتری۔

(۶) طلبہ کے والدین میں احساس مرعوبیت اور غلامانہ ذہنیت کا تسلط۔

(۷) اردو داں مشترین کی کمی۔

(۸) درسیات کی کتابوں کی اردو میں کمی۔ اس میں کتب فروشوں کی تاجرانہ ذہنیت اور عصبیت بھی کام کرتی ہے۔

(۹) اردو داں عوام اور اردو خواں طلبہ کی اقتصادی کمزوری۔

یہ چند خاص نکتے ہیں اور ہر نکتہ اپنے ساتھ بڑے دور رس نتائج رکھتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ٹھنڈے دل سے غور کر کے ان کے ازالے کی کوشش کی جائے۔ ملک کو گرچہ ہنگامی حالات سے نجات نہیں مل سکی ہے مگر اب وہ سختی بھی باقی نہیں۔ اس لئے راجستھان میں ہونے والی کانفرنس کسی مناسب وقت میں طلب کی جائے۔

کرپلانی رپورٹ کو رد کرانے کی کوشش کی جائے۔

سہ لسانی فارمولے میں اردو کو شامل کرانے کی کوشش کی جائے۔

(افسر عبدالسلام سکریٹری)

غنڈہ، ایک پرانی بحث

تقریباً دو ڈھائی سال ہوئے، روزنامہ "قومی آواز" ماہنامہ "نگار" لکھنؤ اور ہفت روزہ "ہماری زبان" علی گڑھ میں، لفظ "غنڈہ" پر بحث چلی تھی، جو لسانی نقطۂ نظر سے تھی۔ یعنی لفظ غنڈہ اصلاً کس زبان کا لفظ ہے؟ چونکہ غین (غ) سنسکرت اور ہندی حروف تہجی میں نہیں ہے اور ڈال (ڈ) فارسی اور عربی حروف تہجی سے خالی ہے۔ اور لفظ غنڈہ میں ان دونوں حروف (غ اور ڈ) کا اتحاد ہے۔ اس میں بڑے لسانیوں سے لے کر نام کے لسانیوں تک نے حصہ لیا تھا۔ ان میں سے بعض نے اس لفظ کو فارسی الفاظ گند (بمعنی بدبو، غلاظت، کوڑا کرکٹ) یا گندہ (بمعنی ناپاک، غلیظ، بدبودار) کا مہند بتایا تھا۔ بعض نے سنسکرت لفظ گندھ

(یعنی ہر بو، سُرخ صندل، گھسا ہوا صندل) کی بگڑی ہوئی شکل کہا تھا۔ در اصل ان دونوں آرا میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ غنڈہ اصلاً پشتو زبان کا لفظ ہے۔

میں پچھلے دنوں، چند ہفتوں کے لئے اپنے وطن (رام پور) گیا تھا۔ وہاں اتفاق سے مجھے اپنے دادا مرحوم کی کچھ پرانی کتابوں کا ایک چھوٹا سا صندوق دیکھنے کو ملا۔ چند کتابوں کے بعد ایک کتاب ہاتھ میں آئی۔ اس کو یکھ جانے بغیر تقریباً بیچ میں سے کھولا! کتاب کھلتے ہی سب سے پہلے لفظ غنڈہ نظر آیا۔ یہ پشتو اُردو (قلمی) لغت ہے۔ میں اس کتاب کو جلد ہی "پشتو اُردو لغت" کے نام سے ضروری ترتیب اور تصحیح کے ساتھ شایع کردوں گا۔

یہاں اس بیان سے میرا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ غنڈہ ہی نہیں، سیکڑوں اور بھی ایسے پشتو الفاظ اُردو میں لکھے بولے جاتے ہیں، جن میں ز، خ، غ، ف حروف کے ساتھ (جو ہندی اور سنسکرت حروف تہجی میں نہیں ہیں) ڈ، ڑ، ٹ حروف کا اتحاد ہے۔ مثلاً: ڈفلی، یا زیٹ، زٹل، زرنڈ وغیرہ، یا پٹاخہ، فرانٹ، چٹخارہ، خنکٹ فیرہ، یا غٹ، غٹا غٹ، غڑغوں، غڑپ سڑپ اور غنڈہ وغیرہ۔ یہ اور اس نوع کے تمام دوسرے پشتو الفاظ کو، اُردو کی بڑی چھوٹی لغات کے سبھی مؤلفوں نے اُردو بتایا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ اس باب میں فرہنگ آصفیہ، نور اللغات اور جامع اللغات کے مؤلفوں سے بھی بڑی بھول ہوئی ہے۔

اب جب کہ انجمن ترقی اُردو ہند بھی ایک بڑی لغت تیار کر رہی ہے اکیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ایسے تمام پشتو الفاظ کے ساتھ انصاف کیا جائے، جن کو ہمارے لسانیوں نے غلطی سے اُردو گردانا ہے۔ لسانی تحقیقات پر اُردو کو دی ہوئی پشتو کی یہ دین اندھیرے میں نہیں رہنی چاہیئے ورنہ پشتو لفظ غنڈہ کو اور اپنے قبیلے کے دوسرے سیکڑوں الفاظ کو ساتھ لے کر شکوہ بہ لب ہوگی۔ (نور آفریدی۔ بمبئی)

یہ اشعار کس کے ہیں؟

اگر "ہماری زبان" کے کسی قاری کو علم ہو تو یہ بتانے کی زحمت گوارہ کریں کہ یہ اشعار کس کے ہیں؟

شرم و حیا پہ آپ کی قربان جایئے
غصہ کو تھوک دیجیے بس مان جایئے
گھر آ گیا رقیب کا لو ساتھ چھٹ گیا
اب آپ کا خدا ہے نگہبان جایئے
. . . .
غالب تمہاری عقل کے قربان جایئے

(مدثر حسین رضوی)

لوک گیتوں کی فہرست

ہندستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دیہات میں رہنے والے ۴۰ کروڑ عوام کے گیتوں اور اُن کی دُھنوں کو باقاعدہ مرتّب کیا جا رہا ہے اور ان کی فہرست تیار کی جا رہی ہے۔ آل انڈیا ریڈیو لوک گیتوں کی ایک ڈکشنری مرتب کر رہا ہے جن میں حروف تہجی کے اعتبار سے پورے ملک کے اہم لوک گیتوں کی دُھنیں، انکی اہمیت ان کے موسیقیاتی، سماجی، مذہبی اور جذباتی پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ کوئی پانچ سو دُھنیں ایسی ہیں جو سارے ملک میں عام ہیں۔ اس سلسلے میں آل انڈیا ریڈیو کے ۳۱ علاقائی اسٹیشنوں نے کوئی دو ہزار لوک گیت جمع کرلئے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو نے ایک سوال نامہ بھی مرتّب کیا ہے جس میں گیتوں کے موضوع، مقصد اور گانے والوں کی نسلی و لسانی اصل کے بارے میں معلومات طلب کی گئی ہیں۔

ہندستان کی قبائلی موسیقی میں بھی کافی تنوع پایا جاتا ہے۔ اس کی ترتیب کا کام بھی کیا جا رہا ہے۔ بہت سے گیتوں کے انگریزی ترجمے بھی تیار کرلئے گئے ہیں جن سے نسل انسانی اور خود بھارت کی ایکتا کا پتہ چلتا ہے۔ ان گیتوں میں محبت و عقیدت بھی ہے اور اچھی فصلوں اور خوش حالی کی تمنائیں بھی۔

ہندستان میں سوویت ادیبوں کا وفد

ہندستان میں سوویت یونین کے ادیبوں کا ایک وفد آیا ہوا ہے، جس کی قیادت وسیولود کوچیتوف کر رہے ہیں جو سوویت یونین کے مشہور ناول نگار ہیں۔ وفد کے دوسرے ارکان میں رسول حمزہ اوف شاعر ہیں اور داغستان کے ایک قبیلے آور کی زبان میں شاعری کرتے ہیں، ہرڈی کربا بائیف ممتاز ترکمانی ادیب ہیں جنھوں نے ناول اور کہانیوں کے علاوہ بچّوں کی کتابیں، فلم کے اسکرپٹ اور تاریخی لیے بھی تحریر کئے ہیں۔ سرگئی میروزدین بچّوں کے ادیب ہیں، انکی تحریریں کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں، جواہر لال نہرو نے سوویت بچّوں کے لئے ہاتھی کے جو دو بچے تحفے کے طور پر بھیجے تھے ان پر میروزدین کی کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ مریم سلگانک نے ہندستانی ادب کے بہت سے نمونے ترجمہ کئے ہیں، انھیں انگریزی زبان کی بھی مہارت ہے اور وہ اکثر موقعوں پر وفد کے لئے مترجم کا کام کرتی ہیں۔

شاعر رسول حمزہ اوف سوویت ادیبوں کے اس وفد کے رُکن ہیں، ہندستان کو شاید ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ یہاں آنے کے بعد انھیں خبر ملی کہ ادبی خدمات کے لئے امسال انھیں لینن انعام دیا گیا ہے۔ ان کی غنائی شاعری سوویت یونین میں بہت مقبول ہے۔

"اور ہندستان جاگ اٹھا"

سیفیہ ڈگری کالج کے پرنسپل عبدالقوی صاحب دسنوی نے "اور ہندوستان جاگ اٹھا" کے نام سے ان قومی نظموں کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے جو چینی جارحیت کے خلاف کہی گئی ہیں۔ دسنوی صاحب نے ابتدا میں "جاگو اور جگاؤ" کے عنوان سے ہندی چینی تعلقات کا سیر حاصل جائزہ بھی لیا ہے، جسے ان نظموں کا پس منظر سمجھنا چاہئے۔

یہ مجموعہ ۳۷ شعرا کے کلام پر مشتمل ہے اور اس مجموعے کا یہ پہلو قابل ذکر ہے کہ اس میں بیشتر شعرا مقامی ہیں۔

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش شاخ بودھن

۱۳ اپریل کو انجمن ترقی اُردو شاخ بودھن (مستقر شکرنگر) کے زیر اہتمام ایک ادبی محفل زیر صدارت محبوب علی خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ شکرنگر منعقد ہوئی، جس میں ساغر حیدرآبادی، ایچ۔ کے۔ الحقانہ، صدر الدین فرخ، احمد عبد المجیب، شبیر علی شاہد، عبد الرحیم شیدا، نصرت نسیم، فرحت علی محمود، حمید ظریف، اور غلام صمدانی جاوید نے بہترین افسانے اور معلوماتی مضامین سُنائے۔

۱۴ اپریل کو بہ تقریب جشن صحت یابی ابو الخیر صاحب صہبا صدر انجمن ہذا ایک ادبی محفل ترتیب دی گئی۔ صلاح الدین صاحب سعید نے جناب صہبا کی گل پوشی کی۔ رفیق احمد مصنف، ساغر حیدرآبادی اور ظفر عالمگیر نے صحت یابی پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے آپ کی ادبی خدمات کا تذکرہ کیا۔ بعد ازاں الحقانہ، شاہد، نسیم اور محمود نے افسانے اور رنگین، ساغر، ظفر، اثر، شیدا، ارشد، عادل، امید اور ظریف نے اشعار سُنائے۔

بزم سخن بھاگلپور

جناب کریم اسعدی کی صدارت میں قدیم بزم سخن کی خصوصی ادبی نشست منعقد ہوئی جس میں ادیبوں اور شاعروں کے علاوہ اُردو دوستوں کی خاصی تعداد نے شرکت کرکے اس کی خصوصیت کو عمومیت میں تبدیل کر دیا۔

شاغل قادری، نسیم اروی، مسرور اسعدی، محی الدین غنی اور جناب صدر نے ہندی کے معروف شاعر شری گوپال سنگھ نیپالی آنجہانی کے فن اور افکار پر روشنی ڈالی اور ان کی ناگہاں موت پر تمام فن کاروں نے ان کے پسماندگان کے ساتھ ایک تجویز کے ذریعہ ہمدردی کا اظہار کیا۔ نیپالی کی موت سے صرف ہندی کا نہیں، بلکہ ہندستان کی تمام زبانوں کے ادب کا ناقابل تلافی نقصان ہوا۔　　(قمر بھاگلپوری۔ سکریٹری)

اردو نے پندرہ سال میں حیرت انگیز ترقی کی ہے

جو

ہمّت افزائی کی رہینِ منّت نہیں ہے

۲۵ اپریل کو لوک سبھا میں سرکاری زبان بل کے مباحثے میں مداخلت کرتے ہوئے وزیر اعظم نے اس الزام کی تردید کی کہ گزشتہ پندرہ برس میں ہندستانی زبانوں نے ترقی نہیں کی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اُردو کی ترقی کا ذکر کیا جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کچھ زیادہ ہمت افزائی کی گئی ہے۔

وزیر اعظم نے کہا کہ اُردو واقعی جاندار زبان ہے کہ اگر آپ اس کو اس کی کتابوں کی اشاعت کے پیمانے سے ناپیں تو وہ ملک کی دوسری قومی زبانوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی کر رہی ہے۔

اُردو نے غیر معمولی رفتار سے ترقی کی ہے کیونکہ یہ ایک فعال زبان ہے میرا خیال ہے کہ اگر ہندی زیادہ تیزی سے ترقی کرنا چاہتی ہے تو اسے ذخیرۂ الفاظ وغیرہ کے سلسلے میں اردو سے ربط قائم کرنا چاہئے۔ اردو اس لئے جاندار ہے کہ اس میں دوسری زبانوں سے الفاظ لینے کی صلاحیت ہے اس نے ترکی عربی اور فارسی سے بھی الفاظ لئے ہیں۔ لیکن اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہندی ترکی، فارسی اور عربی سے الفاظ لے۔ بد قسمتی سے ہندستان میں کچھ دنوں سے یہ ذہنیت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ تنگ لسانی دائرے کے اندر بند ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے یہاں الفاظ قدیم زبانوں سنسکرت اور پالی سے لئے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے پیچھے کوئی تاریخ اور حقیقت نہیں ہے۔

انجمن تعمیر اُردو دلی

انجمن تعمیر اُردو دلی کی جانب سے اتوار ۲۱ اپریل ۱۹۶۳ء کو شام کے ۴½ بجے اردو ہال، اُردو بازار جامع مسجد دہلی میں جوش ملیح آبادی کو ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں دہلی کے تقریباً دو سو شاعروں اور ادیبوں نے شرکت کی۔ حاضرین خصوصی میں علامہ زار یادگار داغ، منور لکھنوی، راجیندر ناتھ شیدا، بسمل سعیدی، خار دہلوی، غلام احمد فرقت، مولانا انور صابری، مولانا اجمل خاں، حاجی صاحب ایچ، منشی عبد القدیر، مولوی سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبد اللہ فاروقی، ڈاکٹر خلیق انجم، کرشن موہن، کیلاش ماہر، مسلم پرویز، حافظ عبد العزیز، پنڈت دینا ناتھ زتشی، حکیم مظہر الدین اجملی، ساحر ہوشیارپوری، مہر لال ضیا، مولانا عبد الباقی، نریش کمار شاد، رفعت سروش، حسن زیدی، کمار پاشی، محمود ہاشمی، شاگرد یوسفی، شاکر تسلیم میرٹھی، عشرت کرتپوری، عبد الرحمٰن شاکر، اصفی، عزیز وارثی، نظمی سکندرآبادی، ریاض صدیقی، ذہین نقوی وغیرہم۔ اور جناب نور الدین احمد سپرنٹنڈنٹ پولیس کارپوریشن نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔

جہان غالب

ادارہ سلطان حسین اینڈ سنز (کراچی) نام سیتاپوری کے ان تحقیقی مضامین کا مجموعہ "جہان غالب" کے نام سے شایع کر رہا ہے جو انھوں نے غالب پر لکھے ہیں، اس مجموعے کے بیشتر مضامین رسائل میں شایع ہو چکے ہیں۔

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے تحقیقی وظائف

امسال یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے علمی ریسرچ کی غرض سے دو سال کے لئے دس ہزار روپے کا وظیفہ پروفیسر محمد حبیب کو اور پروفیسر ضیا احمد بدایونی کو دینا منظور کیا ہے۔

ملک اسماعیل حسن خاں

جوش کی دکن سے علیحدگی کی وجہ

میں نے اپنی تحقیق (Research) کے سلسلے میں افکار کے جوش نمبر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اس کو پڑھنے کے بعد جہاں بعض دوسرے بیانات مشتبہ اور متضاد نظر آئے وہاں جوش کے حیدرآباد کی ملازمت سے برطرف ہونے کے بیانات میں بھی خاصا تضاد نظر آیا، مثلاً پروفیسر احتشام حسین صاحب نے جوش کی حیدرآباد سے علیحدگی کا ذکر اپنے مضمون "جوش ایک تعارفی مطالعہ" میں ان الفاظ میں کیا ہے:

(۱) "ریاست حیدرآباد کی تنگ تاریک فضا اس شعلے کو بہت دنوں تک اپنے دامن میں جلنے نہیں دے سکتی تھی، جوش کی آتش نوائی ایک طرف شہریاری اور سرمایہ داری، ملوکیت اور اقتدار پر آگ برسا رہی تھی تو دوسری طرف ارباب مذہب جز بز ہو رہے تھے، ریاستوں میں سازشوں کا جال بچھا لینا، مطلق العنان امیر ریاست کو کسی ایک ملازم خواہ سے برگشتہ کر دینا بہت آسان ہوتا ہے، یہ کھیل وہاں ہر وقت کھیلے جاتے ہیں، چنانچہ جوش کے ساتھ بھی یہی ہوا، حیدرآباد میں دس سال قیام کرنے کے بعد جوش کو وہاں سے علیحدہ ہونا پڑا۔ وہی نظام "امرا"، جاگیردار اور حکام جو جوش کی شاعری کے دلدادہ اور ان کی صحبت کے خواہاں تھے اُن سے آنکھیں چرا کر علیحدہ ہو گئے اور عتاب شاہی نے جوش کو چند گھنٹوں کے اندر ریاست کے حدود سے باہر نکل جانے پر مجبور کیا، لامذہبیت، دہریت اور آزاد خیالی کے ساتھ ساتھ ان پر اپنے اشعار میں نظام حیدرآباد کی توہین کا الزام لگایا گیا، اور جوش مورد عتاب ہو گئے۔" (افکار جوش نمبر دوسرا ایڈیشن ص ۱۴۰)

اعجاز الحق قدوسی صاحب دوسری وجہ بیان کرتے ہیں:

(۲) "میں ورنگل میں تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ جوش اپنے اس شعر کی بنا پر میر عثمان علی خاں والی دکن کے عتاب کی زد میں آ گئے ہیں؎

کبھی جوش کے جوش کی قدر فرما
کبھی دل بردوں کی ثنا خوانیاں کر

آخر جوش کو حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔" (ایضاً ص ۲۰۹)

شاہد احمد دہلوی نے اپنے مضمون "جوش ملیح آبادی دیدہ و شنیدہ" میں کچھ اور ہی توجیہ کی ہے، جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(۳) "جب جوش صاحب کے لئے نظام دکن میر عثمان علی خاں نے ملک بدری کا فرمان جاری کیا تو مجھے کسی نے حیدرآباد سے اطلاع دی کہ ساقی میں "غزل گو سے خطاب" جو نظم جوش کی چھپی ہے اس پر عتاب ہوا ہے۔ چیشتی کے ایک منہ چڑھے آدمی نے نظام کو سنا دیا کہ "حضور یہ گستاخی جوش نے آپ کی شان میں کی ہے۔" ... جوش کو چوبیس گھنٹے میں ممالک محروسہ سے نکل جانے کا حکم ملا تھا، یہ بارہ گھنٹے میں وہاں سے نکل لئے کہ کہیں خبطی اور قید کا دوسرا فرمان جاری نہ ہو جائے ... دراصل نظام کے منجھلے شہزادے معظم جاہ کے نجیبہ دربار میں جوش کا عمل دخل ضرورت سے زیادہ ہو گیا تھا، اس دربار کے واقعات سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ اندر کا دربار حرام پور اس کے آگے گرد تھا۔ جوش اُس دربار کے حاضر باش تھے، میں نے حیدرآباد کے ثقہ راویوں سے سنا ہے کہ معظم جاہ کے اشارے پر کل حاضر باش ننگے ہو کر ناچنے لگتے تھے اور اس کے بعد جو کچھ ہوتا تھا وہ لکھا نہیں جا سکتا، اگر کوئی نیا بکھیرو ذرا نہیں نکر کرتا تو حبشی خدمتوں کو حکم ہوتا کہ آپ کو بنا لاؤ، وہ اُس غریب کو اُٹھائے جاتے اور پچھاڑ کر اتنی بلاتے کہ اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ پھر اسے دربار میں برہنہ کر کے پیش کیا جاتا اور اسے اوندھا کر کے جلتی ہوئی موم بتی لگا دی جاتی، یہ منظر دیکھ کر سب کے دلوں کے کنول کھل جاتے۔ اور جب وہ ہوش میں آتا تو اُس سے کہا جاتا "آئندہ کبھی سرکار کے حکم سے سرتابی نہ کرنا" ان تمام بیہودگیوں کی اطلاع عالی جاہ کو پہنچتی رہتی تھی مگر وہ شفقت پدری میں چپ ہو جاتے تھے۔ بیٹے سے تو کچھ نہ کہتے، اُس کے حاضر باشوں کی تاک میں لگ جاتے، چنانچہ طویلے کی بلا بندر کے سر۔ جوش پر نزلہ گرانے کا انھیں بہانہ ہاتھ آ گیا۔" (ایضاً ص ۲۲۱-۲۲)

میاں محمد صادق کی بیان کردہ وجہ جو اُن کے مضمون "جوش ایک انسان" سے ماخوذ ہے، درج ذیل ہے:

(۴) "جوش صاحب کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ ایک بے کینہ دل کے مالک ہیں اور کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ حیدرآباد دکن میں وہ دربار شاہی کے رُکن تھے لیکن مزدوروں کی حالت زار پر ایک نظم لکھا کرتے ہوئے نظام حیدرآباد کو خیر خواہی جیسی ہوئی نظم سنانی پڑی، ذرا نہیں بڑے دھڑلے سے سنائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک جیبی ورود کو جوش حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔ اہالیان دربار و اتفاق امرا نے ہر چند کوشش کی کہ جوش صاحب معافی نہیں تو اظہار افسوس ہی کر دیں مگر خود دار جوش نے اسے بھی گوارا نہ کیا، وہاں سے نکل کر دہلی پہنچے۔" (ایضاً ص ۲۳۷)

محمد حبیب اللہ رشدی کا بیان ہے کہ:

(۵) "ایک مرتبہ طویل تعطیلات میں حیدرآباد آیا تو ... معلوم ہوا کہ جوش کی ایک نظم پر حضور نظام بہت ناراض ہوئے کہ اس میں جوش بلگرامی پر چوٹیں کی ہیں، اس نظم کا یہ جوش والا شعر یہ ہے؎

شاعر ہوش اور مدہوش بن جا اٹھا جام زر اور سلطانیاں کر

اس نظم کو حضور نظام سے گستاخی پر بھی محمول کیا گیا۔ جناب جوش نے حضور نظام کو ایک عریضہ لکھا تھا وہ ہمیں سنایا، ہم نے پسند کیا، حضور نظام کا دل جوش سے صاف ہو گیا، جوش کو باریاب کیا، شہزادوں کے دربار کا حال پوچھا اور اپنے اطمینان کا اظہار کر کے رخصت کیا، اس مرحلے کے بخیر و خوبی گزر جانے پر ہم بھی مطمئن ہو گئے۔ چھٹیاں ختم ہو گئیں میں اپنی ملازمت پر چلا گیا، مہینے دو مہینے کے بعد اخبار سے معلوم ہوا کہ حضور نظام نے

جوش کو ریاست سے چلے جانے کا حکم جاری کیا ہے۔" (ایضاً ص ۱۹)

مجھے اس سلسلے میں ایسے شخص کی تلاش تھی جو حیدرآباد میں ان ایام میں قیام کر چکا ہو اور جوش کی صحبتوں اور مختلف محفلوں اور جلسوں میں بھی اُسے جوش کے ساتھ آنے جانے اور ان سے مستفیض ہونے کا موقع ملا ہو اور جو ذمہ دار اور ثقہ بھی ہو۔ چنانچہ حسن اتفاق سے میری ملاقات ابن علی صاحب (فرزند میر محفوظ علی صاحب بدایونی) سے ہوئی جو اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ "دیارِ حیدرآباد" میں گزار چکے ہیں۔ موصوف کے جوش سے بڑے اچھے اور خوش گوار تعلقات اور مراسم تھے، بلکہ ایک حد تک بے تکلفی بھی تھی۔ اعجاز الحق قدوسی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ جوش جب سنانے کے موڈ میں ہوتے تو میرے یہاں آتے اور فرماتے "حیرت مردود کہاں ہے، جاؤ اسے بلا کر لاؤ، الطاف انصاری کو بلاؤ، میر ابن علی کو بلاؤ۔ جاؤ سب مردودوں کو بلا کر لاؤ میں آج سنانے کے موڈ میں ہوں۔"

جناب ابن علی صاحب جو جوش کے قیامِ حیدرآباد میں اکثر و بیشتر ان کے پاس بیٹھتے اٹھتے تھے اور جن کا قیام زمانۂ طالب علمی (۱۹۲۴ء) سے ۱۹۶۰ء تک مسلسل حیدرآباد میں رہا، انھوں نے جوش کے حیدرآباد سے برطرف ہونے کی درج ذیل وجہ بیان فرمائی جس کی صحت و صداقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ابن علی صاحب تعلیم سے فراغت پانے کے بعد پولیس میں ملازم ہوئے اور جوش کے برطرف ہونے کے وقت محکمۂ خفیہ پولیس میں متعین تھے،

"پاکستان کے رسالہ 'افکار' کے جوش نمبر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جوش کے اخراج کے سلسلے میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس میں واقعیت کم اور سنی سنائی زیادہ ہے۔ نہ تو جوش صاحب "بارہ گھنٹے کے اندر" حیدرآباد سے نکل گئے اور نہ "معظم جاہ کے دربار کی بیہودگیاں" فرمان کا سبب تھیں۔ جہاں تک میرے علم میں ہے، جوش صاحب کو خارج البلد کئے جانے کا فرمان یہی تھا کہ وہ پندرہ دن کے اندر ریاست حیدرآباد چھوڑ دیں۔ ۲۴ گھنٹے والی بات صحیح نہیں ہے۔ ان کے اخراج کی وجہ یہی معلوم ہوئی تھی کہ انھوں نے ایک جلسہ میں، جس میں حیدرآباد کے اکثر عمائدین شریک تھے ایک نظم جس کا عنوان شاید "غلط بخشی" تھا پڑھی تھی، اس نظم میں متعدد مقامات پر ایسے لفظ استعمال ہوئے تھے جو اعلیٰ حضرت نظام حیدرآباد کو ناپسند آ سکتے اور جو ان کے اپنے کردار پر منطبق کئے جا سکتے تھے۔ مثلاً نظم کے ایک شعر میں لفظ "ممسک" یا ایک دوسرے شعر میں "سعادت کرے نحس کا احترام"۔ "ممسک" کا اشارہ کچھ ایسا کھلا ہوا سا ہے جسے ہر شخص جو ایک مرتبہ بھی حیدرآباد آیا ہو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ نظم کا پورا پس منظر جو سننے والے کے دماغ میں قائم ہوتا ہے اس میں نمایاں طور سے ایک ایسے آدمی کی تصویر سامنے آتی ہے جس پر "ممسک اور نحس" کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جوش صاحب نے اس نظم میں ان سب حاضر باشوں کو بھی لا کر کھڑا کر دیا ہے جو کسی رئیس کی محفل میں بیگن کی تعریف کرنے کے بعد دوسرے لمحے اس کی برائی اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ بیگن کے نوکر تھوڑے ہی ہیں۔

"جوش صاحب نے جس محفل میں یہ نظم پڑھی تھی اس میں یقیناً ایسے لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے اس کی خبر حضور نظام تک پہنچائی، اس زمانے میں "ملکی، غیر ملکی" کا سوال حیدرآباد میں انتہائے عروج پر تھا اور ہر اس آدمی کو جو "زبدا پار" کا ہو، ایک آنکھ نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ حشو و زوائد کے ساتھ حضور نظام کے پاس اس خبر کے پہنچنے کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتا تھا کہ جوش صاحب خدمت سے برطرف ہوں اور ان کو شہر بدر کر دیا جائے۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مبدۂ فیاض نے جوش صاحب کو آزاد دل اور آزاد دماغ عطا فرمایا ہے۔ پٹھان ہیں، نہ کبھی دبے ہیں اور نہ کبھی دبیں گے۔ جو کچھ کہتے ہیں بلا رو و رعایت، اور بہ بانگِ دہل کہتے ہیں۔" ان حالات کے تحت جوش صاحب موردِ عتاب ہوئے اور ان کو ملازمت اور حیدرآباد کو خیرباد کہنا پڑا۔ یہ غلط ہے کہ معظم جاہ کے دربار یا دربار کی بیہودگیوں سے ان کے اخراج کا کوئی تعلق تھا، نواب معظم جاہ بہادر کو شعر و شاعری سے ذوق تھا، چنانچہ ان کے یہاں چوٹی کے وہ تمام شعرا جو حیدرآباد میں مقیم تھے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ شاہد صاحب نے اس دربار کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں فانی صاحب اور نجم آفندی اور مولانا ماہر القادری صاحب کو بٹھانے کی جرأت شاہد صاحب ہی کر سکتے ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ شاہد صاحب نے فانی صاحب کو دیکھا ہی نہ ہو۔ فانی صاحب کی پُروقار شخصیت اور ان کی متانت اور سنجیدگی ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ معظم جاہ کے اس دربار میں ایک لمحہ کے لئے بھی شریک ہوتے جو شاہد صاحب نے جمایا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ معظم جاہ بہادر کے یہاں گانے بجانے اور ناچنے والے رہتے تھے مگر وہ نشستیں جن کو دربار کہا گیا ہے علیحدہ تھیں جن میں نجم، فانی، جوش، حیرت بدایونی، نواب شہید یار جنگ، نواب قدرت نواز جنگ، کرنل ناصر نواز الدولہ وغیرہ شریک ہوتے تھے۔"

[illegible]

ڈاکٹر وحید اختر

تبصرے

دلِ ناداں

اُردو میں بہت کم کتابیں اس آب تاب کے ساتھ چھپوائی گئی ہونگی جس طرح کرشن موہن کا پہلا مجموعہ "شبنم شبنم" شایع ہوا تھا۔ دلِ ناداں کرشن موہن کا تیسرا مجموعہ ہے۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انھوں نے کتاب کے حسنِ ظاہری کے لحاظ سے خود اپنے قائم کئے ہوئے معیار کو بھی پیچھے چھوڑ کر اُردو پڑھنے والوں کو ایک اعلیٰ تر معیار دیا ہے، اور ایک خوبصورت تحفہ پیش کیا ہے، کتاب بہترین کاغذ پر بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ شایع ہوئی ہے، کتاب اور طباعت کے حُسن کو جسونت سنگھ جیسے مصور کی تزئین کاری نے چار چاند لگادئے ہیں اس کتاب کی محض ورق گردانی ہی جمالیاتی مسرت بہم پہنچاتی ہے۔

کرشن موہن نے کتاب کے صوری معیار کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی نئے تجربے کئے ہیں، غزل میں انھوں نے تغزل کی روایات کی تقلید بھی کی ہے اور ان کی نگہداری بھی۔ لیکن بعض غزلیں اپنے اندر نئی آواز اور نئے تجربات کے روشن امکانات بھی رکھتی ہیں۔

جہاں انھوں نے بول چال کی زبان کو ہندی گیتوں کے شیریں الفاظ کے ساتھ ملا کر غزل کے پیمانے میں ڈھالا ہے وہاں اکثر ایسے اشعار مل جاتے ہیں جو دامنِ دل کو چھو لیتے ہیں۔ غزلوں کے مزاج کا یہ تنوع ان کی نظموں میں بھی نمایاں ہے، انکی آزاد نظمیں جہاں ہیئت کے نئے تجربوں کی آئینہ دار ہیں وہیں موضوعات اور خیالات کے لحاظ سے بھی ان پر اس جدیدیت کی چھاپ ہے جس پر میراجی اسکول کا اثر ہے، یہ نظمیں جوانی، حُسن، جنس اور نفسیاتی واردات کو رمزیہ زبان میں پیش کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ابھی جدید رمزیت پوری طرح ہمارے شعری مزاج کے لئے آشنا نہیں۔ اس جدت پسندی کے پہلو بہ پہلو وہ نظمیں بھی ہیں جو شاید وقتی ضرورت کے تحت ہنگامی اور سیاسی موضوعات پر لکھی گئی ہیں، ان نظموں کا مزاج بھی روایتی ہے اور اندازِ بیان بھی۔

جو چیز کرشن موہن کے یہاں نمایاں ہے وہ جدت پسندی اور جدیدیت کا میلان ہے۔ جدیدیت کا میلان ابھی ہمارے یہاں کسی سمت کے تصور سے پوری طرح آگاہ نہیں۔ اس لئے اگر ان نظموں میں اندازِ بیان اور خیال و احساس کی اجنبیت ملے تو حیرت کی بات نہیں۔ ان عوامل کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے کرشن موہن کی شاعری کا مطالعہ ہمیں بہت سی باتوں کے سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے، یہ مجموعہ حیرت و جستجو کے حدود میں فکر کی پرواز ہے۔ اور ناشر کے الفاظ میں "اُردو شاعری کو کلاسک کیفیت سے روشناس کرانے کی ایک کوشش، اور اس کوشش کے پیچھے شاعر کی بیس برس سے زاید مدت کی ریاضت کارفرما ہے۔"

اس دور میں جبکہ شاعری کرنا ہی غالب کے الفاظ میں "شوقِ فضول وجراُتِ رندانہ" کا نام ہے۔ شاعری کو حسین کتاب کی صورت میں پیش کرنا اور بھی جراُت آزما اقدام ہے اس لئے کہ اس بازار میں جہاں خریداروں کو ڈھونڈنا پڑے یہ زیاں کا کاروبار معلوم ہوتا ہے، اس جراُت کے لئے کرشن موہن قابلِ مبارکباد ہیں۔ ان کی یہ شعری پیشکش اتنی دیدہ زیب، دلکش ہے کہ چھ روپے محض اس کے ظاہری حُسن ہی کے دام ہیں۔ یہ کتاب انڈین اکیڈیمی-۲۹- نرینڈر پلیس نئی دہلی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

تیشہ

ظفر گورکھپوری ایک نئے شاعر ہیں ان کا یہ مجموعہ انجمن ترقی پسند مصنفین شاخ کُرلا نے شایع کیا ہے۔ ان کی شاعری اپنے گرد و پیش کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے خلاف ایک بغاوت ہے، ان کے اس شعری مزاج کی تشکیل میں جہاں انجمن ترقی پسند مصنفین نے رہنمائی کے فرائض انجام دئے ہیں، وہیں ان کے اپنے حالات اور اجداد کی پسماندگی بھی اہم عوامل میں سے ہیں، اسی لئے ان کی رومانی نظموں میں بھی اپنے حالات کے خلاف ان کا سخت ردِ عمل نمایاں ہے، وہ اپنی زندگی کی جدوجہد اور ادبی روایات دونوں حیثیتوں سے محنت کش طبقے سے قریب اور اسی کے ترجمان ہیں۔

کرشن چندر نے دیباچہ لکھا ہے اور انکی شاعری کی مقصدیت جمہوری احساس، اور سیاسی شعور کا تجزیہ کرتے ہوئے شاعر سے ایک خوش آیند مستقبل کی توقع وابستہ کی ہے۔ ظفر نے اپنی شاعری کا مکمل تعارف اس شعر سے کروادیا ہے: ؎

ہوئی یہ خیر کہ احساس بن گیا تیشہ
میں غم کے کوہ سے ٹکرا کے مر گیا ہوتا

"تیشہ" صبحِ ایشیا۔ پاپ روڈ، کُرلا، بمبئی ۷۰ سے تین روپے پچاس نئے پیسے میں مل سکتا ہے۔

بہارِ چندن

چندن بھارتی نے ایک ایسی صنفِ سخن کو اپنی شاعری کے لئے انتخاب کیا ہے جو سرحدی قبائل میں ہمیشہ سے مقبول رہی ہے اور آج بھی پٹھانوں کی محفلوں، تقریبوں اور اجتماعوں میں لہو گرم رکھنے کا بہانہ ہے۔ چاربیت یا چہاربیت شاعری کی ایک ایسی صنف ہے جو اب تک سینہ بسینہ زندہ رہی ہے، اسے کاغذ پر شاید پہلی بار منتقل کیا گیا ہے۔ چندن بھارتی نے اس ہیئت کے رومانی مزاج اور رجزیہ طرزِ بیان سے پورا انصاف کیا ہے۔ اس کتاب کو چندن کمپنی (راجستھان) نے شایع کیا ہے اور وہیں سے منگوائی جا سکتی ہے۔

مالک انجمن ترقی اُردو علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شایع کیا